بسم اللہ الرحمن الرحیم

ایمان افروز اور سبق آموز کہانیوں کا سلسلہ

آستین کے سانپ

کہانی نمبر 10

ماں جی

عزام محسن

اساس انسٹیٹیوٹ

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

ضابطہ

نام مجموعہ : آستین کے سانپ

نام کہانی : ماںؒ جی

مصنف : عزام محسنؒ

تعداد : ایک ہزار

تاریخِ اشاعت : جنوری 2024

زیرِ انتظام : اساسؒ انسٹیٹیوٹ

پبلیشر : مکتبہ امدادیہ اشرفیہ

LG-29 ہادیہ حلیمہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار

رابطہ : محمد عبداللہ 03415340709 03241486582

دل کی بات

قدرت نے انسان کے سامنے دو راستے رکھے ہیں۔ایک حق اور دوسرا باطل...ایک سچ اور دوسرا جھوٹ...ایک صحیح اور دوسرا غلط...اس وقت دنیا میں جتنی بھی نظریاتی محنت ہو رہی ہے،اس میں ہر کوئی اپنے آپ کو حق اور سچ کا دعویدار کہتے ہوئے دوسرے کو غلط اور جھوٹ ثابت کر رہا ہے۔

خالقِ کائنات نے اپنی کتاب،قرآن مجید فرقانِ حمید میں حق اور باطل کی نشانیاں واضح کی ہیں۔حق والوں کا راستہ بھی بتایا ہے اور باطل کی ریشہ دوانیوں سے بھی پردہ چاک کیا ہے۔باطل نے حق کا راستہ روکنے کے لیے کبھی علی الاعلان اُسے للکارا ہے اور کبھی حق کا جعلی روپ دھار کر بہروپیے کی شکل اختیار کی اور حق والوں کو سیدھے راستے سے بھٹکانے کی کوشش کی ہے۔اس ساری محنت کے پیچھے نسلِ آدم کا ازلی دشمن ابلیس ہی ہے۔

ابلیس جب سے راندۂ درگاہ ہوا،تب سے ہی انسان کو گمراہ کرنے پر لگا ہوا ہے۔ایسی صورتِ حال میں انسان کے لیے درست راستے کا انتخاب ضروری اور لازم ہو جاتا ہے۔ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ دراصل خاتم النبین ہیں۔ان کے بعد قیامت تک کوئی نبی اپنی نبوت کے ساتھ نہیں آئے گا،مگر قدرت کے اس فیصلے سے بغاوت کرنے والے کئی شیطان کے ہرکارے میدان میں آئے،اپنا اپنا منجن بیچا،عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔انہیں میں ایک نام مرزا غلام احمد قادیانی کا ہے جس نے خود کو یسوع مسیح کہتے ہوئے نبوت جیسے عظیم مرتبے کی توہین کی۔

مرزے کی سوچ دراصل ہندوستان میں انگریز سرکار کی طے شدہ پالیسی کا تسلسل تھی۔قیامِ پاکستان کے بعد مرزے کے بدبخت پیروکاروں نے اس نئے اسلامی ملک میں اپنے پنجے گاڑنے شروع کر دیے۔مگر فدایانِ ختم نبوت کی بیش بہا قربانیوں کی بدولت حکومتِ پاکستان کو انھیں غیر مسلم اور کافر قرار دینا پڑا اور اب ان کا کفر آئینِ پاکستان کا حصہ ہے۔مگر اس کے باوجود قادیانی اسلام کا لبادہ اوڑھے مسلمانوں کو بہکانے میں مصروف ہیں۔اسی سلسلے میں ادارہ ''اساس'' نے بھرپور انداز میں جواب دیتے ہوئے اہلِ اسلام کو ان کی چالوں سے خبردار کیا ہے۔

قادیانیت کے مکروہ چہرے سے نقاب اتارتے ایسے واقعات، ایسی کہانیاں جو روز کہیں نہ کہیں وقوع پذیر ہوتی ہیں ،ادارہ اساس نے انھیں جمع کر کے نئے اسلوب کے ساتھ ''آستین کے سانپ'' کا عنوان دیا ہے۔ یہ کہانیاں مختلف ذیلی عنوانات کے ساتھ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔انھیں خود بھی پڑھیے اور دوسرے مسلمانوں تک پہنچانے میں ہمارے معاون بھی بنیے۔

اساس انسٹیٹیوٹ

ماں جی

زمانہ اپنے اندر تبدیلیوں کا سیلاب لئے بیسویں صدی کی جانب گامزن تھا کہ انہی دنوں متحدہ ہندوستان کے شہر جالندھر کے قصبے شاہ کوٹ میں ایک بچی پیدا ہوئی، جس کا نام گھر والوں نے فاطمہ رکھا۔ یہ 1897ء کا سال تھا۔ فاطمہ بچپن سے ہی ذہین وفطین واقع ہوئی تھی۔

قصبے میں مناسب تعلیم وتربیت کا بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے بچے سارا دن کھیل کود میں مصروف رہتے، لیکن فاطمہ نے دوسرے بچوں کے برعکس اپنی محنت اور لگن سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی۔ دنیاوی تعلیم کا دور دور تک تصور تھا اور نہ ہی سکول نام کی کوئی چیز تھی۔ لہٰذا ناظرہ قرآنِ مجید کے بعد فاطمہ اپنی مدد آپ کے تحت لکھنے پڑھنے کی سعی کرتی رہی۔

شعور کی سیڑھی پہ قدم رکھا تو سینا پرونا اور گھر گرہستی کے کاموں میں فاطمہ نے دلچسپی لینا شروع کر دی۔

انہی دنوں برصغیر میں انگریز کا مہرہ مرزا غلام قادیانی بھی عروج پکڑ رہا تھا۔ مختلف طریقوں سے وہ گاہے گاہے اپنا رنگ دکھانے میں مگن تھا، گو کہ مرزا کے خلاف سب سے پہلا فتویٰ تکفیر 1884ء میں علماء لدھیانہ کی طرف سے جاری ہو چکا تھا، مگر مرزا غلام قادیانی کے خلاف اصل رائے عامہ تو 1900ء کے بعد ہی ہموار ہوئی اور اس کے بعد ہی اس فتنے کو سنجیدہ لیا جانے لگا۔

ترکی میں مصطفی کمال پاشا کے ہاتھوں جب خلافت کی قبا چاک ہوئی تو یہ صدی کا تیسرا عشرہ شروع ہو چکا تھا۔انہی دنوں فاطمہ شادی کے بعد جالندھر سے منٹگمری (ساہیوال) اپنے نئے گھر چلی آئی ، یہاں پہلے سے ہی ان کی زمینیں اور کچھ عزیز واقارب موجود تھے۔اب فاطمہ کے لئے ایک نئی زندگی کا آغاز ہو چکا تھا،اس نے اپنی مدد آپ کے تحت گاؤں کے بچوں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم کا اہتمام کیا،ساتھ ساتھ وہ خود بھی جید علماء کرام کی تصانیف سے فیض حاصل کرنے لگیں۔

ان دنوں چونکہ مرزا قادیانی کے ڈھول کا پول بھی پوری طرح کھلنا شروع ہو چکا تھا۔علماء کرام گلی محلوں اور دیہاتوں میں جا کر اس فتنے سے آگہی دیتے ، سادہ لوح مسلمان اسے مولویوں کا مسئلہ سمجھتے ،حالانکہ یہ سب کے ایمان کا معاملہ تھا۔

فاطمہ نے اپنے علم کی پیاس بجھانے کے لیے مدرسہ رشیدیہ کی دینی محفلوں میں شرکت کرنا شروع کی تو دین کی تھوڑی بہت سمجھ آنے لگی۔وہیں پر مسئلہ قادیانیت سمجھنے کا موقع ملا۔فاطمہ نے بھی ذاتی دلچسپی کے ساتھ قادیانیت کے حوالے سے علماء کرام کے لٹریچر اور تقاریر سے فائدہ حاصل کرنا شروع کر دیا۔ساتھ ساتھ وہ دینی مسائل میں بھی دلچسپی لیتی رہیں۔

رفتہ رفتہ انھوں نے اپنے گھر میں اسی تعلیم اور تربیت کا حلقہ گاؤں کی خواتین کے لیے بھی لگانا شروع کر دیا۔اب حال یہ تھا کہ صبح ناشتے کے بعد فاطمہ کا میاں جب کھیتوں میں چلا جاتا،تو پیچھے سارا گھر گاؤں کی خواتین سے بھر جاتا، فاطمہ ان عورتوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتیں، احادیث سناتیں ،ختمِ نبوت کے حوالے سے علماء کی کتابیں اور مضامین پڑھ کر سناتیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی معروف تصنیف ''بہشتی زیور'' پڑھنے کی فاطمہ کو خوب مشق تھی۔علم کے اس خزانے سے وہ گاؤں کی ان پڑھ خواتین کو مختلف مسائل سے آگاہ کیا کرتی تھیں۔قرآن مجید اور دیگر دینی تعلیم میں رفتہ رفتہ ان کی شاگردوں کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا،اب وہ ایک بہترین استاد تصور کی جانے لگیں۔

جب کبھی قادیانیوں کے خلاف کسی مسلم تحریک نے سر اُٹھایا تو فاطمہ بی بی اپنی شاگردوں کے ساتھ اس تحریک کی ہمنوا بن گئیں۔اپنے بچوں کی تربیت بھی انہوں نے اسی نہج پہ کر رکھی تھی۔چنانچہ ان کے بچے مرزا قادیانی کے خلاف طرح طرح کے نعرے لگاتے۔

''اگر مرزا ہوتا خدا کا نبی تو گندگی میں گر کر نہ مرتا کبھی''

دن مہینوں میں اور مہینے سال میں تبدیل ہوتے گئے،فاطمہ کا خاندان زمینوں کی دیکھ بھال جبکہ وہ گھریلو کاموں کے ساتھ تعلیم و تعلم سے بھی وابستہ رہیں۔انہی دنوں تحریکِ پاکستان نے عروج پکڑا،آخرکار مسلمانوں کی شبانہ روز محنت کے بعد اللہ کے حکم سے قیامِ پاکستان عمل میں آیا۔

نئے وطن کے قیام پر دیس کے مسلمانوں کا جوش وخروش دیدنی تھا۔انھوں نے اپنی دینی متاع بچانے کی خاطر دنیاوی مال وزر کو خیر باد کہا اور اپنے نئے وطن پاکستان آنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

فاطمہ خود تو منٹگمری میں مقیم تھیں مگر جالندھر سے ان کا سارا خاندان اپنی زمینیں،جائیداد اور گھر چھوڑ کر پاکستان ہجرت کر گیا۔بھوک پیاس سے نڈھال، بلکتے ہوئے معصوم ننھے بچے،رمضان کا مہینہ،پھر بندن جھلساتی گرمی...کئی دن کی تھکن،اوپر

سے بلوائیوں کے حملے... قیامتِ صغریٰ کا ایک منظر تھا۔

اس عالم میں فاطمہ بی بی منٹگمری میں آنے والے مہاجرین کے لئے سائبان بن گئیں، مہاجرین کی مدد کے لئے انہوں نے اپنے گھر، زمینوں اور غلے کے دروازے کھول کر انصارِ مدینہ کی یاد تازہ کردی تھی۔ ابھی تک ادھیڑ عمر فاطمہ کی آنکھیں مہاجرین میں اپنے خاندان کی متلاشی تھیں۔

اسی دوران جب انہیں اپنے خاندان کی آمد کی اطلاع ملی تو دل بے قرار ہوگیا۔ خاندان کے اس مختصر قافلے کو دیکھتے ہی ان پر سکتہ طاری ہوگیا۔ راستے میں ان کی بہن اور جوان بھانجی اور معصوم بچوں کی دردناک شہادت، دوسری بہن اور اس کے بچوں کی گمشدگی.... گویا غم کا ایک پہاڑ فاطمہ بی بی پر ٹوٹ پڑا تھا۔

ظالموں نے راستے میں قافلے پر اس وقت حملہ کیا تھا جب فاطمہ کے رحم دل بوڑھے والد پاک و ہند سرحد سے واپس جالندھر کی جانب اس ارادے سے روانہ ہوئے تھے کہ کھیتوں میں بیلوں کی جوڑی بندھی کھڑی ہے، میں ان کی رسیاں کاٹ کے آتا ہوں ،کہیں ایسا نہ ہو کہ بے چارے بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرجائیں، خاندان کے افراد نے بہت روکا کہ بلوائی لوگ خود ہی بیل لے جائیں گے ،لیکن میاں جی نہ مانے۔ ان کا کہنا یہی تھا کہ اگر کسی ہندو یا سکھ بلوائی کی ان بیلوں پر نظر نہ پڑی تو بے چارے بھوکے رہیں گے۔

چناں چہ میاں جی بیلوں کی رسیاں کاٹنے گئے، مگر ظالموں کے ہاتھوں خود کٹ کر شہادت کا رتبہ پا گئے۔ ان کی نعش کو دریا نے اپنے پیٹ میں اتار لیا۔ میاں جی کے شہید ہونے کی خبر جب منٹگمری پہنچی تو سارے خاندان پر گویا سکتہ طاری ہوگیا۔ چہار سو افسردگی

کی ایک لہر دوڑ گئی۔اس غم نے فاطمہ بی بی کی کمر توڑ کر رکھ دی،لیکن انہوں نے اسے اللہ کی رضا سمجھ کر برداشت کیا تو اللہ نے بھی انہیں صبر عطا کر دیا۔

.....☆.....

قیامِ پاکستان کے بعد قادیانیوں کے خلاف تحریک میں تیزی آ گئی تھی ،منٹگمری کے مدرسہ رشیدیہ میں اس حوالے سے بڑے بڑے جلسے منعقد ہوتے جہاں ہزاروں خواتین وحضرات شرکت کرتے ،فاطمہ بھی اپنی شاگردوں کے ساتھ ان جلسوں میں شرکت کرتیں ،یوں علماء اوران کے اہل خانہ سے ان کا تعلق مضبوط ہوتا گیا۔ختمِ نبوت کے حوالے سے فاطمہ نے ان ہستیوں کے بیانات سے خوب استفادہ کیا۔

فاطمہ بی بی کے گاؤں میں باؤ فیض نامی ایک قادیانی رہتا تھا۔ہر وقت سادہ لوح مسلمانوں پہ رعب جمانا اس کا وطیرہ بن چکا تھا،لوگ بھی اس کی پرسنالٹی ،اس کے انگریزی لباس،ہاتھ میں پکڑے سگار اور انگلش اخبار سے مرعوب ہوجایا کرتے۔

ایک دن گاؤں کے نیک دل سقّہ(گھر گھر پانی پہنچانے والا آدمی) سے کوئی غلطی ہوگئی۔شاید باؤ فیض کے گھر پانی کا مشکیزہ تاخیر سے پہنچا تھا۔چناں چہ اسی بات کو بنیاد بنا کر باؤ فیض اس غریب ماشکی کے پیچھے پڑ گیا۔بے چارا سقہ(ماشکی) بہت منت ترلے کرتا رہا،مگر اس کی ایک نہ سنی گئی۔

اسی شام باؤ فیض نے اس سقہ کو لوگوں کے گھر پانی دینے سے منع کر دیا،اور اس کی جگہ اپنا بندہ لگا دیا۔سادہ لوح لوگوں نے قادیانی پٹھو کے حکم پر جی حضوری میں سر ہلا یا تو بے چارہ نیک دل سقہ شریف اپنا کام چھن جانے پر بہت رنجیدہ ہوا،لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا،جیسے ہی باؤ قادیانی کا نیا سقہ فاطمہ بی بی کے گھر پانی دینے پہنچا تو ان پہ

ساری بات کا عقدہ کھل گیا۔

مارے غصے سے ان کا بُرا حال ہوگیا، چنانچہ اگلے ہی لمحے باؤفیض قادیانی کے آدمی کی دوڑیں لگ گئیں۔

شام تک گاؤں کی سب شاگردوں تک ماں جی کا پیغام پہنچ چکا تھا۔ چناں چہ لوگوں نے فاطمہ بی بی کے کہنے پر پہلے والے سقہ شریف ہی سے پانی لینا شروع کر دیا ِلیکن بات یہیں پہ ختم نہ ہوئی بلکہ اس معاملے میں فاطمہ بی بی کے کہنے پر گاؤں کے بڑوں نے ایک پنچائیت بلوائی۔جس میں باؤفیض کو بلا کر روز روز کی حرکتوں سے باز رہنے کی تلقین بھی کر دی گئی۔اپنی بے عزتی پر وہ ناک بھوں چڑھا کر رہ گیا۔

اب کی بار اس نے ایک اور کھیل کھیلا۔جب گندم کٹائی کا موسم ہوا تو اس نے غریب کسانوں سے سستے داموں گندم خرید کر انھیں نقد ادائیگی کر دی۔پھر گاؤں کے تیس گھرانوں کو اپنے ڈیرے پر بلا کر سبھی لوگوں میں گندم مفت تقسیم کر دی۔اس بات کا واضح مقصد تھا کہ وہ غریب پروری کے نام پر ان لوگوں کی حمایت حاصل کرنا چاہتا تھا۔منصوبہ بڑا خطرناک تھا۔

فاطمہ بی بی کو پتا چلا تو فوراً ان تیس گھرانوں کے نام معلوم کر کے ان کے تمام گھرانوں کے سرپرستوں کو اپنے ہاں دعوت دی۔وہ سرشام فاطمہ بی بی کے گھر آئے تو انھوں نے گھن گرج سے ان کے سامنے پوری تقریر کر ڈالی اور انھیں آقا کی محبت اور عقیدت کا حوالہ دیتے ہوئے تھوڑی بہت شرم دلائی،ساتھ ساتھ انھوں نے اپنے تمام غلے اور اناج کے منہ ان غریب لوگوں کے لیے کھول دیے۔

ساتھ یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ جو شخص پیارے آقا کی محبت کرتا ہے وہ باؤفیض

کی گندم واپس کرے۔ بدلے میں اس کو اتنی ہی گندم دی جائے گی۔ چناں چہ تیس کے تیس گھرانوں نے باؤ فیض کو اس کی گندم واپس کر دی۔ یوں اس بد بخت کا یہ منصوبہ بھی ناکام ہو گیا۔

اس کا بدلہ لینے کے لیے وہ بے چین تھا۔ اپنے شیطانی دماغ سے طرح طرح کے منصوبے سوچتا اور غریبوں پہ رعب جھاڑتا رہتا تھا۔ ایک بار پھر اس نے اپنی گھٹیا سوچ کو بروئے کار لانا شروع کر دیا۔ وہ اس طرح کہ گاؤں کے غریب لوگوں کی زمینیں اونے پونے خرید کر اپنے نام کروانا شروع کر دیں، تاکہ دوسرے علاقوں سے قادیانی خاندانوں کو "مہاجرین" کا نام دے کر گاؤں میں بسایا جا سکے۔

یہ اس کا واقعی بہت خطرناک منصوبہ تھا۔ جیسے ہی اس کے اس گھناؤنے منصوبے کا علم ماں جی فاطمہ کو ہوا، تو انھوں نے مدرسہ رشیدیہ سے علماء کرام کو گاؤں میں جلسہ کرنے کی دعوت دی۔ علما کرام نے اہل گاؤں کو قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کیا، اگلے چند یوم میں گاؤں والے باؤ فیض کے منصوبے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، نتیجہ یہ نکلا کہ نا صرف نئے آنے والے قادیانی گھرانوں کو علاقہ چھوڑنا پڑا، بلکہ باؤ فیض کو بھی اس کی حرکتوں کی بدولت عبرت کا نشان بنا کر گاؤں بدر کر دیا گیا۔

یوں ماں جی فاطمہ کی فہم و فراست کی بدولت پورے گاؤں میں ختمِ نبوت کا چرچا عام ہوا، اَن پڑھ لوگوں، مزدوروں اور کسانوں نے بھی یہ اس بابرکت کام کو سمجھا اور اپنے آس پاس تمام قادیانیوں کا سوشل بائیکاٹ کر کے نبی علیہ السلام سے محبت کا ثبوت دیا۔

نتیجہ یہ نکلا کہ یہ علاقہ کچھ ہی عرصے میں قادیانیوں سے پاک ہو گیا اور دو خاندان حلقہ بگوش اسلام بھی ہوئے۔ اب ماں جی فاطمہ نے اپنے روزانہ کے درس اور تعلیم کے

دوران ختم نبوت کے حوالے سے شاگردوں کی تربیت کو لازمی کام سمجھ لیا تھا۔

.....☆.....

علاقے بھر میں خوف و ہراس پھیل چکا تھا۔ظلم کی ایک عجب داستان تاریخ کے اوراق پر رقم ہونے جارہی تھی۔گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے پورا علاقہ گونج رہا تھا،سڑک پر لاشے کسی کٹی ہوئی پتنگ کی مانند گر رہے تھے، یہاں تک کہ گرم اور تازہ انسانی خون نے اپنی خوشگوار مہک سے فضا کو معطر کر ڈالا ،لیکن ختمِ نبوت کے دیوانے اور پروانے اپنی پیارے آقا کی حرمت پر کٹ مرنے سے باز نہیں آئے۔

یہ 1953ء کا سال تھا،تحریکِ ختمِ نبوت اپنے عروج پر تھی،لاہور کی مشہورِ زمانہ مال روڈ پر ہونے والے اس ''معرکے'' میں حکومتی مشینری کے ہاتھوں کئی شہادتیں اور گرفتاریاں ہوئیں۔درجنوں لوگ لاپتہ اور زخمی بھی ہوئے تھے۔

ایسے میں پنجاب کے دور دراز علاقے سے ایک ادھیڑ عمر خاتون سینکڑوں میل کا کٹھن سفر طے کر کے در در کی خاک چھانتے ہوئے لاہور جا پہنچی،اس کی بے چین آنکھیں کسی خاص چیز کی متلاشی تھیں،ہاتھ میں خشک کھانے کی ایک پوٹلی، چند کپڑے اور آنکھوں میں اداسی لئے وہ ادھر سے اُدھر چکر لگا رہی تھی،کبھی جیل،کبھی حوالات کے اندر،بخشی خانوں اور کبھی شہداء اور زخمیوں کی فہرست میں....لیکن کہیں بھی اس کی تلاش ختم نہ ہوئی۔

اس سے پہلے کہ وہ مایوس ہو کر واپس لوٹ جاتی،ایک بار پھر اس نے کوٹ لکھپت جیل جانے کا ارادہ کیا،حسرت و یاس کی تصویر بنی اس بوڑھی اماں کی سعی رنگ لائی اور کوٹ لکھپت جیل میں اماں کی تلاش ختم ہوئی،اس کا بیٹا غلام مصطفیٰ اسی جیل میں ختمِ

نبوت کے تحفظ کے ''جُرم'' میں قید کاٹ رہا تھا۔

تحریک کے قیدیوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ بیٹے سے ملاقات کے لئے اماں کو جیل حکام کی کافی منت سماجت کرنا پڑی، آخر اجازت ملی تو ان کی خوشی دیدنی تھی، تھکی ہاری ممتا کو لمحہ بھر کے لئے سکون سا آ گیا، ماں اور بیٹے کی ملاقات کا جذباتی منظر قریب کھڑے پولیس اہلکاروں کو بھی تڑپا گیا، تبھی ایک سپاہی اظہارِ ہمدردی کے لئے آگے بڑھا:

''اماں جی! کیوں تُو اپنے آپ پر ظلم کر رہی ہے؟ کس نے کہا تھا کہ تیرا پُتر ان مولویوں کے پیچھے لگے۔ یہ ملاّ لوگ تو بس....خدا ہی ان سے بچائے۔''

''خبردار...! کوئی ضرورت نہیں ہے اُلٹا سیدھا بولنے کی۔ اگر ختمِ نبوت کا تحفظ نہیں کر سکتے تو ہماری راہ میں دیوار بھی مت بنو تم لوگ۔''

اماں جی نے سپاہی کو ڈانٹ پلا دی۔

''مگر اماں....وہ تمھارا بیٹا....!!''

''خاموش...!! کوئی ضرورت نہیں مجھے ماں کہنے کی۔ ایسے عظیم مشن پر ایک نہیں، کئی بیٹے قربان کر سکتی ہوں...لیکن یاد رکھو....! کل قیامت کے دن تم لوگ اللہ کی عدالت میں جواب دِہ ہو گے۔''

اماں جی کی بات سن کر قریب کھڑا سپاہی ایک جھُرجھری لے کر پیچھے ہٹ گیا۔ دوبارہ اس کی جرات نہیں ہوئی کہ وہ ایسی بات کر سکے۔

ماں جی فاطمہ کا بیٹا غلام مصطفی ڈیڑھ سال قید کے بعد جیل سے رہا ہوا تو اللہ پاک نے اس امتحان میں ماں جی کو سرخرو کیا۔ اس کے بعد ماں جی فاطمہ کی باقی اولاد اور

پورے خاندان کی زندگی میں ختم نبوت کا عظیم کام لازم وملزوم ہو گیا تھا۔گھر میں اس حوالے سے کتابیں اور لٹریچر تسلسل کے ساتھ آنے لگا تھا۔

.....☆.....

ماں جی کا چوتھے نمبر والا بیٹا ایک دن بھاگتا ہوا گھر داخل ہوا۔اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

''غضب ہو گیا ماں جی ...!!'' اس نے آتے ہی تشویش ناک انداز میں خبر سنانا شروع کی۔

''اللہ خیر کرے۔۔کیا ہو گیا بھئی۔۔؟''

''کل کی خبر ہے...مرزائیوں نے ایک ٹرین پر حملہ کر کے مسلمان نوجوانوں پر بہت تشدد کیا ہے۔کئی نوجوانوں کی حالت غیر ہو چکی ہے۔''

بیٹے نے ماں کو بتایا تو خبر کی تفصیل سننے کے بعد ماں جی فاطمہ کا غصہ عروج پر پہنچ گیا۔

''اللہ غارت کرے ان ظالموں کو...'' ماں جی نے بددعا دی۔آخر اس واقعہ کے بعد ملک بھر میں ایک بار پھر ختم نبوت کی تحریک اپنے عروج پر پہنچ گئی۔گلی گلی،قریہ قریہ احتجاج ہونے لگے۔مسئلہ قادیانیت ایک بار پھر گلی کوچوں سے پارلیمنٹ تک زیر بحث آنے لگا۔

ماں جی نے اس تحریک میں اپنے ضلع کے اندر اپنے بیٹوں اور شاگرد خواتین کے ساتھ ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔

آخر کار مسلمانوں کی انتھک محنت اور قربانیوں کی بدولت 1974ء ستمبر کے مہینے

میں پارلیمان نے قادیانیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا۔یہ واقعتاً مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔

ماں جی اس کامیابی پر پھولے نہیں سمارہی تھیں۔انھوں اس پر علاقے بھر میں شیرنی تقسیم کی اور شکرانے کے نوافل ادا کیے۔ہر طرف تاج وتختِ ختم نبوت، زندہ باد کے نعرے گونج رہے تھے۔ماں جی فاطمہ اور ان کی شاگردوں کی شبانہ روز محنت تھی کہ علاقے کے ہر گھر میں ختمِ نبوت کا مقصد، پیغام اور مسئلہ قادیانیت آسان فہم زبان میں پہنچ چکا تھا۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آس پاس کے علاقوں میں رہنے والے قادیانی خاندان بھی اب یہاں رہنے سے گھبرانے لگے تھے۔ان میں سے دو خاندانوں نے تو قادیانیت سے تائب ہوکر اسلام قبول کرلیا، جب کہ باقی اپنا بوریا بستر اٹھا کر راہِ فرار اختیار کر گئے۔

.....☆.....

بیسویں صدی اب اپنے اختتام کی طرف گامزن تھی۔ماں جی کی کمر کمان کی طرح دوہری ہوچکی تھی۔انھیں دنیا میں آئے اب سوسال کا عرصہ ہو چکا تھا۔پھر نئی صدی نے اپنا چہرہ دکھایا، یوں ماں جی نے تیسری صدی کے دیدار بھی کرلیا۔آخر زمانے نے انگڑائی لی اور عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا۔

اماں فاطمہ کی طبیعت ذرا ناساز رہنے لگی تھی۔چناں چہ اپنے رب سے ملاقات کا وقت آ گیا۔17 جنوری 2004ء کو ایک دندھلائی اور بھیگی صبح تہجد کی اذانوں کے ساتھ ہی صدیوں کا یہ سفر اپنے اختتام کو پہنچا۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کا دیدار کرنے والی یہ آنکھیں آج ہمیشہ کے لئے بند ہوگئیں۔معمولی بیماری

کے بعد تین صدیاں دیکھنے والی ختمِ نبوت کی یہ مجاہدہ کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی سے جاملیں۔

انّاللہ وانااالیہ رَاجعُون۔

ماں جی کی میٹھی باتیں ،اصلاحی شاعری ،ناقابلِ یقین قصے اور نصیحت آموز کہانیاں آج بھی کانوں میں رس گھولتی ہیں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری دادی جان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل کرے۔آمین۔

☆....☆....☆